قانون اور اخلاق کا باہمی تعلق اور اسلامی تعلیمات

محمد اعجاز*

قانون اور اخلاق کے باہمی تعلق کے حوالے سے بحث پرانی ہے کہ قانون اور اخلاق کا باہمی تعلق کیا ہے؟ بعض افراد ان کے دائرہ کار میں فرق کرتے ہیں خصوصا اسلامی معاشرت میں مشاہدے میں آیا ہے کہ ایک طرف شریعت والے ہیں جو اپنی زندگیوں میں اور دوسروں کی راہنمائی میں شریعت تک اپنے آپ کو محدود کرتے ہیں۔ فتویٰ اور رائے میں قانونی دائرے میں رہتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف طریقت والے ہیں جو ظاہر سے بے نیاز اور قانون سے بیزار صرف باطن کی طرف متوجہ ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قانون واخلاق، شریعت وطریقت الگ الگ چیز ہیں یا ان میں کوئی مطابقت پائی جاتی ہے اگر پائی جاتی ہے تو یہ مطابقت مفہوم میں ہے، بنیاد میں ہے یا ہدف ومقصد میں۔

ایک اور امر جو ہمیں قانون اور اخلاق کے باہمی تعلق کے مطالعہ پر مجبور کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کو فقہ وقانون کا علم حاصل ہوتا ہے وہ باعمل ہونے کی بجائے بے عملی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ فقہ وقانون کے علم کا مقصد ذمہ داری اور فرائض کی الزامی حدود کی معرفت ہے۔ جو افراد قانونی حدود وقیود کی ہی پابندی کرتے ہیں وہ اخلاقی حدود کو فراموش کر دیتے ہیں اور حدود پر زندگی بسر کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ عمل کی بجائے بے عملی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فقہ (قانون) کی تعلیم اخلاق کی تعلیم کے بغیر مضر ہو سکتی ہے۔ ان پہلوؤں کے حوالے سے قانون اور اخلاق کے باہمی تعلق بارے جاننا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔

مغربی اصول قانون میں ہمیں قانون کی بے شمار تعریفیں ملتی ہیں جن میں مغرب کے تصور وقانون کے مطابق قانون کی تمام شکلوں کو سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔

آسٹن نے قانون کی تعریف یوں کی ہے:

"Law in the aggregate of rules set by man as politically superior, or sovereign, to man as politically subject" 1

قانون ایسے احکامات کا مجموعہ ہے جو سیاسی طور پر بالا دست افراد یعنی ایسے افراد کے لیے بنایا جاتا ہے جو سیاسی طور پر ان کی رعایا ہوتی ہے۔

آسٹن سے اسی تعریف کو دوسرے الفاظ میں بھی نقل کیا گیا ہے جو یوں ہیں:

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

"Law in the command of the sovereign . It imposes a duty and is hacked by a sanction."۲

قانون حاکم کا حکم ہے جو ذمہ داری عائد کرتا ہے اور اپنے پیچھے قوت نافذہ رکھتا ہے۔

اس تعریف سے قانون کے تین اجزاء سامنے آتے ہیں: حکم (command)، ذمہ داری (Duty) اور قوت نافذہ (sanction) یہ حکم کی وہ صورت ہے جو سیاسی حاکمیت کے ہاتھوں تشکیل پاتی ہے اور قوت نافذہ کے بل بوتے پر نافذ کی جاتی ہے۔

سالمنڈ نے قانون کی تعریف اس طرح کی ہے:

"Law may be defined as the body of principles recognized and applied by the state in the administration of justice" ۳

قانون کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ ایسے قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے جو ریاست کی طرف سے انصاف کی فراہمی کے لیے پیش کیا جاتا ہے اور نافذ کیا جاتا ہے۔

سالمنڈ نے نیچرل لاء یا اخلاقی قانون کے بارے میں کہا ہے:

"By natural law or moral law is meant the principles of natural right and wrong. The principles of natural justice if we use the term Justice in its widest sense to include all forms of rightful action"۴

فطری یا اخلاقی قانون سے مراد فطری صحیح اور غلط کے اصول ہیں۔ فطری انصاف کے اصول، اگر ہم انصاف کی اصطلاح اس کے وسیع تر مفہوم میں استعمال کریں تاکہ صحیح عمل کی تمام صورتیں شامل ہوسکیں۔

مندرجہ بالا تعریفوں سے واضح ہوا کہ قانون سے مراد ایسے احکامات، اصول واضوابط کا مجموعہ ہے جو انصاف کی فراہمی کے لیے بالاتر حاکمیت وضع کرتی ہے اور قوف نافذہ کے ذریعے عامۃ الناس پر نافذ کیا جاتا ہے۔ نیچرل لاء کے اندر وسعت ہے اس میں قوت نافذہ کے ذریعے نافذ ہونے والے احکامات اور اخلاقی تعلیمات دونوں شامل ہیں۔ مگر مغربی اصولیین قانون نیچرل لاء کو قانون نہیں مانتے کیونکہ یہ ان کی قانون کی تعریف پر پورا نہیں اترتا۔

شریعت کا مفہوم:

لغت میں شریعت کے معنی مذہب اور ملت کے ہیں مورد الشاربۃ پنے کی جگہ کے لیے شرعۃ الماء کا لفظ استعمال ہوتا ہے اسے شریعہ کہتے ہیں۔ اسی سے الشارع نکلا ہے کیونکہ یہ طریق الی المقصد یعنی منزل تک پہنچانے کا راستہ ہے(۵)۔

سورہ جاثیہ کی مندرجہ ذیل آیات میں شریعت کا لفظ آیا ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾(٦)

''ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ یعنی شریعت پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلتے ہوئے اور ان جہلا کی خواہشوں پر نہ چلئے یہ اللہ سے آپ کو ذرا بھر بے نیاز نہیں کر سکتے اور ظلم کرنے والے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یہ شریعت عام لوگوں کے لیے داشمندیوں کا سبب اور بہایت کا ذریعہ اور یقین کرنے والوں کے لیے رحمت ہے''

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں فالشریعہ: ماشرح اللہ لعبادہ من الدین اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو دین بنایا ہے وہ شریعت ہے آگے لکھتے ہیں:

''فمعنی ''جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ'' ای علی منهاج واضح من أمر الدین بک الی الحق''

''ہم نے آپ دین ایک خاص طریقہ پر کر دیا سے مراد ہے کہ ہم نے آپ کو حق کی طرف لے جانے والے دین کے واضح راستے پر گامزن کر دیا ہے۔ قتادہ نے شریعت سے مراد امر ونہی اور حدود اور فرائض لیے ہیں. مقاتل نے کہا شریعت کے معنی البینۃ کے ہیں کیونکہ یہ حق کی طرف لے جانے والا راستہ ہے''(۷)

''هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ'' کے بارے میں فرماتے ہیں اس شریعت میں حدود اور اُحکام کے بارے دلائل، براہین اور معالم موجود ہیں۔ ''وھدی'' یعنی یہ ایسا راستہ ہے جو اس کو اختیار کرتا ہے وہ اسے جنت کی طرف لے جاتا ہے اور ''ورحمۃ'' فی الاخرۃ اور یہ آخرت میں رحمت ہے(۸)۔

بصائر بصیرت کی جمع ہے اور بصیرت سے مراد باطنی روشنی ہے هٰذَا بَصَآئِرُ سے مراد ہے کہ شریعت باطن کو روشن کرنے والی ہے۔ ھدی یعنی سراپا ہدایت ہے کہ اس سے راستہ نظر آتا ہے اور ''رحمۃ'' مقصود جو کہ رحمت ہے تک پہنچا دیتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا ہے کہ شریعت کے پانچ اجزاء ہیں:

۱۔ عقائد: دل اور زبان سے اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی ہے وہ حق ہے۔

۲۔ عبادات: نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ

۳۔ معاملات: احکام نکاح، طلاق، بیع، شراء، حدود، کفارات وغیرہ

۴۔ معاشرت: اٹھنا، بیٹھنا، ملنا جلنا، مہمانداری، عزیز و اقارب سے سلوک وغیرہ۔
۵۔ اصلاح نفس: جسے تصوف کا نام دیا جاتا ہے(۹)۔

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے اس میں ظاہری اور باطنی دونوں اعمال شامل ہیں مگر بعد میں متاخرین کے ہاں شریعت کا اطلاق ظاہری اعمال پر ہی ہونے لگا۔

فقہ کا مفہوم:

علوم اسلامیہ میں قانون کے لیے فقہ کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔ فقہ کا لغوی معنی ''الشق والفتح'' ہے یعنی پھاڑنا اور کھولنا اس کا لغوی معنی **العلم بالشئی والفهم له** بھی بیان کیا گیا جاتا ہے کسی چیز کو گہرے سمجھے اور جاننے کے لیے پھاڑنا اور کھولنا ضروری ہوتا ہے(۱۰)۔

قرآن کریم میں فقہ کا لفظ پورے دین کی سمجھ بوجھ کے لیے استعمال ہوا ہے:

﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّينِ﴾(۱۱)

تفقہ کا ذکر دین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی اس آیت کے ذیل فرماتے ہیں:

"فی هذا ایجاب التفقه فی الکتاب السنة"(۱۲)

اس آیت میں کتاب وسنت میں تفقہ پیدا کرنے کو واجب کیا گیا ہے۔

اسی طرح حدیث میں بھی فقہ سے مراد پورے دین کی سمجھ بوجھ لیا گیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

"من یرد الله به خیراً یفقهه دین الدین"(۱۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کی تعریف اس طرح کی ہے:

"معرفةالنفس مالها وما علیها"(۱۴)

نفس کے نفع ونقصان کی چیزوں کو جاننا یا نفس کے حوالے سے حقوق اور ذمہ داریوں کو جاننا فقہ ہے۔

غرض معلوم ہوا کہ متقدمین کے ہاں فقہ سے مراد پورے دین کا فہم ہے اسی میں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق سب شامل تھے۔ جبکہ متاخرین نے فقہ کے اطلاق کو احکام تکلیفیہ جو افعال سے متعلق ہیں تک محدود کر دیا اور وہ فقہ کی یوں تعریف کی جانے لگی:

"هو العلم بالاحکام الشرعیة العملیة المستنبطة من ادلتها التفصیلیة"(۱۵)

ادلہ تفصیلیہ یا جزئیہ سے اخذ کردہ علمی شرعی احکام کو علم فقہ کہتے ہیں۔ متاخرین کی اصطلاح میں احکام تکلیفیہ جن کا تعلق ظاہری اعمال سے تھا کا نام فقہ، اور اعمال باطن سے متعلق احکام کا نام تصوف، تزکیہ نفس وغیرہ ہو گیا۔

اخلاق کا مفہوم:

خلق سے مراد صورت ظاہری اور خُلق سے مراد باطنی ہے۔ اخلاق حمیدہ میں ارادہ ونیت، اخلاص، تواضع، توبہ، توکل، خشوع، خوف ورجا، صبر، شکر، محبت وغیرہ شامل ہیں۔

ایک دائرہ قانون کا ہے جس میں حدود بیان کی جاتی ہیں۔ اوصاف حمیدہ میں حدود سے باہر اور رذائل سے بچنے میں حدود سے پرے جو امور ہیں وہ اخلاق کے تحت آتے ہیں۔

ہمیں اپنے دینی لٹریچر میں اخلاق کی بحث طریقت، تصوف، احسان اور تزکیہ نفس کے تحت ملتی ہے۔

جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی ہیں۔ نفس کی باطنی اصلاح کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ وہ طریقہ اور سلوک جس کے ذریعے اعمال میں حسن خوبی اور اخلاص پیدا کیا جاتا ہے تصوف بھی کہا جاتا ہے، جو صفا سے ماخوذ ہے کہ عبد اپنے باطن کی صفائی کر کے رذائل سے پاکی حاصل کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک صوف سے ماخوذ ہے کیونکہ صوفیا دنیاوی نعمتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صوف کے کپڑے پہنتے تھے۔ احسان اور تزکیہ نفس سے مقصود بھی ظاہری اعمال کے ساتھ ساتھ باطنی اصلاح کی طرف توجہ کرنا ہے۔ حضرت جبرئیل صحابہ کرامؓ کی تعلیم کی غرض سے انسانی شکل میں آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ما الاحسان؟۔ آپؐ نے فرمایا:

"ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك" (۱۶)

"احسان یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ دیکھ ہی رہا ہے"

نبی پاک ﷺ نے احسان کی جامع تعریف فرما دی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک ذمہ داری سمجھ کر اللہ کے خوف کی وجہ سے کرے تو یہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا معنی ہی یہ ہے کہ ڈر کر بچ جانا، اللہ سے ڈر کر اللہ کی نافرمانی سے بچ جانا اور اللہ کی اطاعت کرنا۔ تقویٰ بھی عبادت کی ایک منزل ہے مگر مطلوب احسان ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت اللہ سے محبت کی بنیاد پر کرے۔ عبادت کرتے ہوئے اللہ کو دیکھنا اللہ کی عبادت محبت سے کرنا ہے اور اس احساس سے عبادت کرنا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ یہاں عبادت کا محرک اللہ کا ڈر وخوف ہے۔ اللہ نے قرآن میں عدل کے ساتھ احسان کا ذکر کیا ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ إِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (۱۷)

"بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور برائی سے اور سرکشی سے تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو"

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال وانصاف کے ترازو میں تلے ہوں افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو جو بات اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے۔ مقام عدل وانصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل وعفو اور تلطف وترحم کی خُو اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع وتبرع کی طرف قدم بڑھائے''(۱۸)

رسول اللہ ﷺ نے ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ'' کی تلاوت فرمائی تو مقرون بن عمرو نے کہا:

''دعوت والله الی مکارم الاخلاق ومحاسن الاعمال'' (۱۹)

''اللہ کی قسم میں نے اچھے اخلاق اور حسن وخوب والے اعمال کی طرف بلایا ہے''

نبی کریم ﷺ نے احسان کو اچھے اخلاق اور ایسے اعمال قرار دیا گیا ہے جو خوبی وکمال اور اخلاص سے ادا کیے گئے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

''العدل خلع الانداد والاحسان أن تعبدالله كانک تراه وأن تحب للناس ما تحب لنفسک فان كان مؤمنا أحببت ان يزداد ايماناً وان كان كافراً احببت أن يصير أخاک فی الاسلام''(۲۰)

''عدل غیر اللہ سے علیحدگی ہے اور احسان یہ ہے تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے جسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور تو لوگوں کے لیے وہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اگر وہ مومن ہے تو تو پسند کرتا ہے کہ اس کے ایمان میں اضافہ ہو اور اگر وہ کافر ہے تو تو پسند کرتا ہے کہ وہ تیرا اسلامی بھائی بن جائے۔''

حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت ہے:

''العدل هو التوحيد والاحسان الاخلاص فيه''(۲۱)

''عدل توحید ہی ہے اور احسان اس میں اخلاص ہے''

''عدل'' انصاف کو کہتے ہیں انصاف یہ ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے وہ بعینہٖ ادا کر دیا جائے۔ انسان کی زندگی میں حقوق دو حیثیتوں میں متعین ہوتے ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت اللہ کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے متعین ہوتی ہے تو دوسری اللہ کے بندوں سے تعلق کے اعتبار سے۔ انسان کے ذمہ جو امور اللہ کے ساتھ تعلق کے حوالے سے لاگو ہوتے ہیں انہیں حقوق اللہ

کہا جاتا ہے اور جو امور اللہ کے بندوں سے تعلق کے حوالے سے لاگو ہوتے ہیں انہیں حقوق العباد کہتے ہیں عدل یہ ہے کہ اللہ کے جو حقوق انسان کے ذمہ ہیں انہیں وہ ادا کردے اسی طرح بندوں کے حقوق کو ادا کرے۔ احسان نام ہے دوسروں کو ان کے حقوق سے زیادہ دینا۔ عبادات میں عدل یہ ہے کہ فرائض کو ادا کیا جائے احسان یہ ہوگا کہ اسکے ساتھ نفلی عبادات کا بھی اہتمام کیا جائے اور عبادات میں خشوع وخضوع اور اخلاص پیدا کیا جائے۔ معاملات میں عدل یہ ہے کہ قانونی طور پر درست ہوں احسان یہ ہے کہ اس میں دوسروں کے ساتھ فضل ورعایت اور عفوودرگزر کو پیش نظر رکھا جائے۔

قانون واخلاق کے باہمی تعلق:

مندرجہ بالا تعریفات سے واضح ہوا کہ اخلاق واحسان فقہ وقانون سے الگ نہیں ہیں جبکہ حقیقت میں اخلاق واحسان قانون کا حصہ ہیں اس لیے متقدمین اخلاقی تعلیمات کو فقہ اور قانون کے تحت ہی بیان کرتے رہے ہیں بعد میں جب فنون الگ الگ مدون ہوئے تو تصوف واحسان علم فقہ سے الگ بیان ہوا، اسی لیے متاخرین کے ہاں قانون کی تعریف میں خصوص آگیا اور اخلاقیات اس کا موضوع نہ رہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں اس کی ضرورت اور اہمیت کو کم کردیا گیا۔

عدل قانونی حد ہے اللہ تعالیٰ نے جب عدل کا حکم دیا ہے تو ساتھ احسان کا حکم بھی موجود ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ﴾ (۲۲)

احسان کا حکم بھی عدل کی طرح ہے۔ اسلامی تعلیمات میں قانون کی حدود پر زندگی گزارنے والے کو پسند نہیں کیا گیا بلکہ اسے تنبیہ کی گئی کہ کہیں وہ حرام میں مبتلا نہ ہو جائے اس احتمال سے بچنے کے لیے وہ حدود سے پرے زندگی گزارے یعنی قانونی حدود کے ساتھ ساتھ اخلاقی حدود واحسان کو حرزِ جان بنائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”الحلال بین والحرام بین وبینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس فمن اتقی المتشبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات کراع یرعی حول الحمی یوشک أن یواقعه ألا وان لکل ملک حمی ألا ان حمی الله فی ارضه محارمه ألا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله“(۲۳)

”حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان شبہ والے امور ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگوں کو علم نہیں جو ان مشتبہ امور سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو شاہی چراگاہ کے گرد جانور چراتا ہے امکان ہے کہ اس کے جانور اس چراگاہ میں گھس جائیں گے جان لو ہر حاکم کی چراگاہ ہوتی ہے جان لو اللہ کی حمس اس کی حرام کردہ امور ہیں جان جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو پورا جسم

درست رہتا ہے“

اس حدیث میں حدود پر رہ کر زندگی بسر کرنے سے منع کیا گیا ہے حرام کے ساتھ ساتھ متشابہات سے بھی بچنے کا حکم ہے۔اس لیے کہ جو لوگ قانونی حدود پر زندگی گزرنے کے عادی ہو جاتے ہیں ان کے بارے زیادہ امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ حرام میں مبتلا ہو جائیں گے یا فرائض کے بھی تارک ہو جائیں گے۔اس لیے قانون کے ساتھ ساتھ اخلاق کی پابندی پسندیدہ ومحبوب ہی نہیں اس سے مقام فضیلت وشرف حاصل ہوتا ہے بلکہ حقیقت میں عمل کی روح تک پہنچنے کے لیے ضروری بھی ہے۔ قانونی حدود کی پاسداری کی طرح اخلاقیات کی پابند کرنا بھی ضروری ہے چاہے ان کے ترک پر قانون کی خلاف ورزی کی طرح وعید وسزا نہیں ہے۔شریعت نے جرائم پر سزاؤں کا اطلاق کیا ہے جبکہ جھوٹ بولنے کی دنیاوی سزا بیان نہیں کی اور یہ عدالت کے دائرہ کار سے بھی خارج ہے۔اس سے جھوٹ بولنے کی حرمت میں شدت کم نہیں ہو جاتی۔

جدید ماہرین قانون نے بھی قانون اور اخلاق کے تعلق کو تسلیم کیا ہے جیسا کہ سٹیملر Stammlar نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔

> "Jurisprudence depends much upon moral ideas as just law has need of ethical doctrine for its complete realization... There is no difference and if any it is only the difference of manner in which the desire for justice presents itself" (۲۴)

اصول قانون کافی حد تک اخلاقی تصور پر منحصر ہے کیونکہ انصاف پر مبنی قانون کو مکمل احساس دلانے کے لیے اخلاقی اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اگر ہے تو صرف طریقہ کار کا جس میں انصاف کی خواہش اپنے آپ کو پیش کرتی ہے۔

قانون کی بنیاد اخلاقی تعلیمات ہی بنتی ہیں۔ اخلاقی بنیاد کے بغیر کوئی قانون قانون نہیں بنتا لارڈ ڈیولن Lard Devlin کا نقطہ نظر یہ ہے:

> "There is public morality which Provides the Cement of any human society and law, especially criminal law, must regard it as its primary function to maintain this public Morality" ۲۵

اجتماعی اخلاقیات کسی انسانی معاشرے کو مضبوطی فراہم کرتی ہے اور قانون خصوصاً فوجداری قانون کے نفاذ میں اسے ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ اسکا بنیادی کام ہی اجتماعی اخلاقیات کو برقرار رکھنا ہے۔یعنی قانون اخلاقی قدروں کی حفاظت کے

لیے حصار کا کام کرتا ہے۔ اس سے قانون اور اخلاق کا تعلق بہت واضح ہو جاتا ہے وی ڈی مہاجن نے بیان کیا کہ قانون اور اخلاقیات کے تعلق کو تین زاویوں سے دیکھا جاسکتا ہے:

الف۔ اخلاقیات قانون کی بنیاد ہیں۔

ب۔ اخلاقیات قانون کی جانچ کا پیمانہ اور معیار ہیں۔

ج۔ اخلاقیات قانون کی انتہا ہیں (۲۶)۔

اگر ہم فقہاء کی ذاتی زندگی کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی حدود پر زندگی بسر نہیں کی اگرچہ ان کا کام ہی قانون کو وضع کرنا اور اس کی تشریح وتوضیح کرنا ہوتا مگر انہوں نے اپنی ذاتی زندگی کو کبھی قانون کی بنیاد پر استوار نہیں کیا بلکہ وہ اخلاق واحسان کے بلند مرتبے پر فائز رہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جب اپنے قرضدار سے وصولی کے لیے گئے تو اس کی دیوار کے سائے میں کھڑے نہ ہوئے کہیں وہ سود میں لینے والے قرار نہ پائیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''کل قرض جر نفعاً فھو ربا'' (۲۷)

''ہر قرض جو نفع کھینچے سود ہے''

شاید فقہی اور قانونی طور پر اتنی احتیاط ان پر لازم نہ تھی فتوی اور قضا میں گنجائش کے باوجود انہوں نے اپنے ذاتی عمل کی بنیاد احتیاط اور احسان پر رکھی ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک آپ کے ملازم نے عیب دار کپڑے کا تھان فروخت کر دیا۔ پوچھا کہ کیا خریدار کو عیب کے بارے میں بتایا تھا جواب ملا نہیں۔ اسکو دوڑایا کہ خریدار کو تلاش کرے نہ مل سکا تو پوری قیمت منافع سمیت صدقہ کر دی۔ فقہی لحاظ سے خریدار نے جب خود دیکھ کر کوئی چیز خریدی ہو اور جان بوجھ کر عیب چھپایا نہ گیا ہو تو بائع کی ذمہ داری نہیں بنتی۔ اگر ذمہ داری بنتی بھی ہو تو صرف عیب کے مقابل رقم صدقہ کرے آپ نے پوری ہی رقم کو صدقہ کیا۔ یہ تھے فقہاء کرام۔ مگر آج کل کا مشاہدہ ہے کہ جو علم فقہ میں درک حاصل کر لیتا ہے وہ بےعملی کا شکا ہو جاتا ہے۔ احکام شرعیہ کا علم اسے عمل میں آگے بڑھنے میں معاون ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے حلال وحرام کی حدود تو معلوم ہو جاتی ہیں مگر احسان واخلاق کی تعلیم اور ضرورت واہمیت کی آگاہی سے اس کا دامن خالی ہوتا ہے۔ فقہ وقانون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تصوف واحسان کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ اگر اس کا اہتمام نہ کیا جائے تو قانون جاننے کا فائدہ کی بجائے الٹا نقصان کا خدشہ رہتا ہے۔ مثلاً فقہ کی تعلیم میں حیلے بھی بتائے جاتے ہیں کتب فقہ کی کتاب الحیل بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ متعلمین میں تفقہ پیدا کیا جائے مزید براں بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ فقہ وقانون کی ظاہری ساخت اس کے مقاصد میں رکاوٹ بن جاتی ہے تو حیلے بروئے کار لائے جاتے ہیں کہ کسی خاص صورت واقعہ میں قانون میں تبدیلی کیے بغیر حیلے کے ذریعے مقصد حاصل کر لیا جائے۔ حیلے کا مقصد گنجائش پیدا کرنا نہیں بلکہ قانون پر اس کی روح کے مطابق عمل کرنا

ہے۔ جب مفتی وفقیہہ حضرات تصوف واخلاق کے بغیر فتویٰ وقضا پر فائز ہوتے ہیں تو حیلوں کو قانون سے بچنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان کا مطمع نظر قانون کی ظاہری صورت پر عمل کرنا رہ جاتا ہے قانون پر اسی روح کے مطابق عمل کرنا مفقود ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قانون کے ثمرات حاصل نہیں ہوتے۔ مفتی اور مجتہد کے لیے لازمی ہے کہ فقہ وشریعت کے ساتھ ساتھ اخلاق واحسان کو بھی پیش نظر رکھے۔

انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد احسان ہے۔ انسانی زندگی کی ترقی تو در کنار بقاء بھی احسان، اخلاق اور ایثار کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر تمام لوگ قانونی حدود پر زندگی گزاریں۔ ہر فرد حقوق اور فرائض کے حوالے سے قانونی ہو جائے، ہماری معاشی اور معاشرتی زندگی اور تمام دائروں میں زندگی معطل ہو جائے۔ قانون تو صرف گذارہ کرنے کے لیے، معاملات کو نمٹانے اور جھگڑے چکانے کے لیے ہوتا ہے یہ آگے بڑھتی زندگی کی بنیاد نہیں بن سکتا مثلاً خاندانی زندگی میں گھر کا ہر فرد دوسرے سے تعلق قانونی رکھے، باپ، بیٹے، میاں بیوی اور بہن بھائی کے تعلق کو نبھانا ناممکن ہوگا۔ کوئی خاندان قائم نہیں رہ سکتا جب تک کچھ لوگ ایثار، قربانی، عفوودرگزر اور برداشت سے کام نہ لیں۔ اگر صرف قانون سے کام چل سکتا تو ایثار، عفوودرگزر اور احسان پر زور نہ دیا گیا ہوتا۔

پوری بحث سے معلوم ہوا کہ اخلاق قانون سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ اللہ نے کچھ ذمہ داریوں کو قانون کے تحت اور کچھ اخلاق واحسان تحت رکھا ہیں مگر حکم دونوں کا ہے۔ اخلاقیات قانون کی بنیاد ہے۔ اخلاق کے بغیر قانون کے مقصد کو حاصل کرنا یا اس کی روح کے ساتھ عمل کرنا ممکن نہیں۔ اخلاقیات اور فضل واحسان کے بغیر انسانی زندگی کی ترقی ممکن نہیں رہتی۔

حواشی وحوالہ جات

1. Mahajan, V.D. Jurisprudence, Shan Book Corporation, Lahore, P.29
2. do
3. Zafar Iqbal Bajwa, Salmrd's Jurisprudence, Civil+ Ginind Law publication Lahore, P21
4. V.D. Mahajan, Jurisprudence,p66

۵۔ اصفہانی، المفردات، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶ء، ص ۳۱۴

۶۔ سورۃ الجاثیہ:۱۸-۲۰

۷۔ القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، مؤسسۃ مناھل العرفان، بیروت، ۱۶/۱۶۴،۱۶۳

۸۔ القرطبی، ۱۶/۱۶۵

۹۔ تھانوی، محمد اشرف علی، شریعت وطریقت، مرتبہ محمد دین چشتی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۸۶، ص ۲۱، ۲۰

۱۰۔ ابن منظور، لسان العرب، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۹۷ء، ج ۱۳، ص ۵۲۲

۱۱۔ سورۃ التوبہ:۱۲۲

۱۲۔ القرطبی، ۸/۲۱۴

۱۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، جامع صحیح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء، ج ۱، ص ۵۶، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیراً

۱۴۔ زرکشی، بدر الدین، البحر المحیط، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۷ء

۱۵۔ غزالی، المستصفی، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۳ء، ص ۴۷، ج ۱، ص ۱۰

۱۶۔ بخاری، جامع صحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبیؐ، ج ۱، ص ۱۸ دار الفکر بیروت، ۱۹۸۱ء

۱۷۔ سورۃ النحل:۹۰

۱۸۔ عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف الشرف، ص ۳۶۶

۱۹۔ الرازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، ۱۰/۱۰۴، دار الفکر بیروت، ۱۹۵۱ء

۲۰۔ محولہ بالا

۲۱۔ محولہ بالا

۲۲۔ بخاری، جامع صحیح، کتاب البیوع، باب: الحلال بین والحرام بین

۲۳۔ V.D. Mahajan, Jurisprudence,p66

۲۴۔ do,P. 107

۲۵۔ do, P.104

۲۶۔ ابن حجر، بلوغ المرام، دار السلام، لاہور، ۱۹۹۸ء، کتاب البیوع، باب الرھن، ۴/۴؛ بیہقی، السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، ج ۴، ص ۱۵۳